نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

جہاد اور روح جہاد کتاب وسنت کی روشنی میں

جہاد آج پوری دنیا میں بحث کا موضوع بنا ہوا ہے۔ انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں میں جہاد پر موجودہ دور کی متشدد ''جہادی'' تحریکات کے ظہور اور ان کی پرتشدد کارروائیوں کے پس منظر میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔ اسلامی فقہ کا کلاسیکل تصور جہاد بھی معرض بحث میں ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام اور بین الاقوامی تعلقات کے پس منظر میں بھی وہ اکثر وبیش تر ہدف تنقید بنتا ہے۔ وجہ ہمارے ناقص خیال میں یہ ہے کہ موجودہ فکر اسلامی اس ضمن میں جدید ذہن کے شکوک وشبہات دور کرنے میں ناکام رہی ہے۔ اس نکتہ کی وضاحت یہ ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ وہ فطرت انسانی سے ہم آہنگ ہے۔ انسان کے دل کی آواز اور اس کی عقل 'وجدان'، جذبات اور فطرت سب کو اپیل کرتا ہے۔ آزادی فکر وشعور ہر انسان کو پسند ہے۔ کوئی انسان یہ نہیں چاہتا کہ کوئی چیز اس پر خارج سے تھوپ دی جائے۔ اس کی فطرت اس سے اِبا کرتی ہے۔ اور اسلام نے اپنی ہر ہر تعلیم میں انسان کی اس فطرت کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ مذہبی آزادی کے سلسلہ میں اسلام کا اصول الاصول 'لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ'، ''دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے'' (البقرہ ۲: ۲۵۶)۔ اس لحاظ سے جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ملتی جو انسانی عقل وفطرت کے منافی ہو، مگر روایات حدیث، فقہی آرا اور فکر اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو اشکالات سے خالی نہیں جن کو عقل عام قبول نہیں کرتی۔ ہمارے علما وفقہا ودانش وران دور از کار توجیہیں کر کے ان کو مطابق عقل کرنے کی اپنی سی کوششیں کرتے ہیں، مگر بات کچھ بنتی نظر نہیں آتی۔ مثال کے طور پر اس بات کا دعویٰ ہر ایک کرتا ہے کہ اسلام آزادی ضمیر وآزادی دین ومذہب کا علم بردار ہے۔ پھر جب جہاد کی تشریح کرنے پر آتے ہیں تو ایک گروہ

کہتا ہے کہ جہاد کفر کے خاتمہ کے لیے ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر 'لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ' کا اصول کہاں گیا۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں کفر کا خاتمہ تو جہاد کا مقصد نہیں، البتہ شوکت کفر کا خاتمہ ضرور مقصود ہے، یعنی اہل کفر کو کفر پر زندہ رہنے کی تو اجازت ہے، مگر غالب پوزیشن میں نہیں، بلکہ مغلوب وماتحت بن کر۔ لیکن اشکال سے خالی جہاد کی یہ توجیہ بھی نہیں کہ جب آپ اصولاً اہل کفر کا اپنے کفر پر باقی رہنے کا حق تسلیم کرتے ہیں تو اپنے ملک وعلاقہ میں ان کو اپنے نظام پر چلنے اور اپنی حکومت قائم کرنے کے حق سے کس بنیاد پر محروم کر دیں گے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب دینا ممکن نہیں، جب کہ اس فکر کے علم بردار امن عالم اور بقاے باہم کی باتیں بھی خوب کرتے ہوں؟ تکثیریت اور تحمل برداشت اور Plural سماج کے قائل بھی ہوں؟

جہاد کے علاوہ ارتداد کی سزا پر بھی اسی طرح مختلف اشکالات وارد ہوتے ہیں جن کا اطمینان بخش عقل وروح کو مطمئن کرنے والا جواب روایتی اور موجودہ فکر اسلامی کے پاس نہیں۔ جو جوابات بھی روایتی علما، فقہ قدیم کے پرستار یا اسلام پسند حضرات دیتے ہیں، وہ روایات حدیث اور فقہی آرا کی اساس پر دیتے ہیں اور ان دونوں پر پھر اشکالات ہیں جن کی توجیہ تاویلات باردہ وتکلف کر کے کرنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں جن لوگوں نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کا کتابچہ ''مرتد کی سزا'' پڑھا ہوگا، وہ یہ محسوس کیے بغیر نہ رہیں گے کہ مصنف بڑے زور لگا لگا کر جو عقلی جواب ڈھونڈ ڈھونڈ کر لائے ہیں، وہ خود نئے سوال کھڑے کر دیتے ہیں (اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں)۔ اسی طرح ان کا نظریہ مصلحانہ جنگ ہے۔ ہمارے خیال میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم مسلمان ایک بنیادی وسنگین غلطی کا شکار ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنے دین کے سلسلہ میں ہم قرآن پاک کو اصل مصدر وسورس نہیں بناتے۔ اور بجاے اس کے کہ ہر چیز میں اسی کو اپنے لیے حکم بنائیں، کہیں اس پر روایات کو حاکم بنا ڈالتے ہیں اور کہیں فقہی آرا ومذاہب کو اس پر مسلط کر ڈالتے ہیں۔ ہم اپنے ہر سوال کا جواب اگر قرآن سے ڈھونڈیں تو ضرور کافی وشافی جواب ملے گا اور ہر اشکال ختم ہو جائے گا۔

حالیہ دنوں میں جہاد اور اس کے متعلقات پر کئی اچھی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ عربی میں ''فقہ الجہاد'' از علامہ یوسف القرضاوی، اردو میں مولانا محمد عمار خان ناصر اور مولانا یحییٰ نعمانی کی کتابیں۔ اور بالکل تازہ بہ تازہ استاذ محترم مولانا محمد عنایت اللہ اسد سبحانی کے گہربار قلم سے ''جہاد اور روح جہاد'' آئی ہے۔ ۳۸۴ صفحات پر مشتمل یہ کتاب جہاد اور اس کے تمام متعلقات سے جامع انداز میں بحث کرتی ہے۔ جہاد کیا ہے، اس کی روح کیا ہے؟ اس کے مقاصد، اس کے جواز اور اس کے ثمرات ونتائج کیا ہیں، وہ کب فرض ہوتا ہے، اس کی شرائط وعناصر کیا ہیں وغیرہ تمام مباحث کا جواب انھوں نے دیا ہے۔ جہاد کے عناصر وشرائط مصنف کے نزدیک پانچ ہیں۔ بلند ایمانی کردار، محکم اجتماعیت،

صالح و compitent قیادت، مستقبل کی منصوبہ بندی اور آزاد سلطنت۔ اس کتاب کی اصل خوبی جو اسے دوسری تمام کتابوں سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ مصنف نے بحث کی اصل صرف اور صرف کتاب اللہ کو بنایا ہے۔ جتنے اعتراضات، شبہات وسوالات پیدا ہوتے ہیں، ان کا شافی وکافی جواب خود قرآن کی روشنی میں دیا ہے۔ کتاب کے ایک باب جہاد عصر حاضر میں انھوں نے ”جہادی تحریکوں“ اور ان کے حامیوں کے دلائل کا جائزہ لیا ہے اور ان کے مغالطوں کو آشکارا کیا ہے۔

استاذ محترم مولانا عنایت اللہ سبحانی فراہی مکتب فکر کے نہایت ممتاز عالم اور قرآن کریم سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ قرآن پاک پر غور وفکر ہی ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہ حدیث وفقہ، آراء سلف اور معاصر علمائے کرام کی تحقیقات سے استفادہ کرتے ہیں، مگر قرآن کی روشنی میں۔ ان کے ہاں ردوقبول کا اصل معیار صرف اور صرف یہی کتاب عزیز ہے۔ لہٰذا روایاتِ حدیث، ائمۂ فقہ کے مذاہب اور آراء سلف وغیرہ ان کی راہ میں روڑے نہیں بنتے۔ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کے اسیر نہیں، لہٰذا قرآن کی روشنی میں وہ ساری وادیاں بہ آسانی قطع کر لیتے ہیں۔

مصنف جہاد اقدام اور جہاد دفاع دونوں کے قائل ہیں، مگر وہ صاف طور پر کہتے ہیں کہ جہاد نہ کفر کی وجہ سے ہوتا ہے، نہ شوکت کفر کو توڑنے کے لیے، بلکہ صرف اور صرف جارحیت کے مرتکب اور ظلم وجبر کرنے والے کافروں سے ہوتا ہے۔ مولانا نے تفصیل سے عام علما وفقہا کے موقف اور مولانا مودودی (بغیر نام لیے) دونوں کے موقف کا جائزہ لیا ہے اور دونوں کو دلائل کی بنیاد پر رد کر دیا ہے (ملاحظہ ہو جہاد اور روح جہاد صفحہ ۴۵ تا ۸۵)۔ وہ فرماتے ہیں: ”مسلح جہاد کا مقصد ہے اس زمین سے ظلم واستبداد کو ختم کرنا اس دھرتی پہ بسنے والے انسان کی آزادی وعزت کی حفاظت کرنا“ (صفحہ ۸۸ وہی کتاب)۔ مصنف کے مطابق امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جمہور علما کا موقف بھی یہی ہے، یعنی ان کے دور تک علما کی بڑی تعداد اسی کی قائل تھی۔

اس سلسلہ میں ایک تیسرا موقف مولانا امین احسن اصلاحی اور ممتاز عالم دین اور مفکر جناب جاوید احمد غامدی کا ہے کہ اتمام حجت اگر کسی گروہ پر کر دی جائے تو پھر اس گروہ کو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی تلواروں سے سزا دلواتے ہیں۔ اس موقف کی بنیاد سورۂ براءت کی یہ آیت ہے: ’قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ‘، ”ان سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انھیں ذلیل وخوار کرے گا اور ان کے مقابلے میں تمھاری مدد کرے گا“ (۹: ۱۴)۔ غامدی صاحب کی تشریح میں یہ نبی کے براہ راست مخاطبین کا حکم ہے۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس حکم کا اطلاق نہ ہوگا، کیونکہ اب ویسے اتمام حجت کی کوئی شکل نہیں رہ گئی، جیسا نبی کے ذریعے سے ہوا کرتا

ہے۔ مولانا سبحانی کہتے ہیں کہ قرآن میں اتمام حجت کے بعد بھی کوئی سزا بیان نہیں کی گئی اور جو سزا بیان کی گئی، وہ آخرت سے متعلق ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں کہ جہاد اصلاً جبر و ظلم کی قوتوں کے خلاف ہوتا ہے جو اسلامی دعوت پر حملہ آور ہوتی ہیں، عام لوگوں کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں اور جو اللہ کے دین اور ان کے درمیان رکاوٹ بن جاتی ہیں (دیکھیے اسی کتاب کا صفحہ ۹۵)۔ غامدی صاحب نے اپنے موقف کی جو وضاحت ''میزان'' میں کی ہے، اُس سے سبحانی صاحب نے تعرض نہیں کیا ہے۔

موجودہ دور کی مسلح تحریکات حضرت ابوبصیر اور ابوجندل کے واقعات سے دلیل پکڑتی ہیں کہ کہیں بھی اگر ۵، ۷ ہم خیال لوگوں کا ایک جتھا جمع ہو جائے تو ان کے لیے جہادی کارروائیاں کرنا جائز ہو جائے گا۔ وہ غیر مسلم عوام کو بھی حربی فرض کر کے ان کو مباح الدم سمجھتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک بزرگ مولانا عبدالعلیم اصلاحی اسی نقطۂ نظر کی نمایندگی کرتے ہیں اور اس کی حمایت میں کئی کتابچے لکھے ہیں۔ جلد باز اور جوشیلی طبیعتوں کا ایک گروپ ان سے متاثر ہو رہا ہے۔ مصنف مدظلہ نے اس خطرناک رجحان کا بھی بروقت نوٹس لیا ہے اور ان کے استدلال کی بنیادی خامی کی وضاحت کی ہے (ملاحظہ ہو: ۳۱۸ تا ۳۳۴)۔

جزیے کے سلسلے میں مولانا کی رائے یہ ہے کہ اس کو فکر اسلامی میں غلط طور پر لیا گیا ہے۔ اس کا تعلق عوام سے ہے ہی نہیں وہ تو ایک ٹیکس ہے اور مغلوب حکومت سے لیا جاتا ہے نہ کہ عام لوگوں سے۔ مولانا کے جنگی قیدیوں کے نزدیک غلامی کا بھی کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے قرآن 'فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً' (محمد ۴۷: ۴) دو ہی حکم جنگی قیدیوں کے بیان کرتا ہے (دیکھیے: ۲۷۶) سرسید کا موقف بھی یہی تھا اور اس کے لیے انھوں نے ایک پورا رسالہ ابطالِ غلامی پر لکھا تھا۔

کتاب میں مولانا سبحانی نے موضوع سے متعلق بہت سے فقہا و علما، مفسرین اور موجودہ مفکرین کے خیالات پر تنقید فرمائی ہے۔ ان کے بعض اقوال تو نقل کر دیے ہیں، مگر نہ ان کا نام لیا ہے، نہ ان کی کسی تحریر کا حوالہ دیا ہے۔ شاید انھوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔ خاک سار تبصرہ نگار کی رائے میں ان کا نام لینا اور تحریروں کا حوالہ دیا جانا بہت ضروری تھا، اس لیے کہ موجودہ دور میں عموماً جہاد کے بارے میں جتنے غلط رجحانات و تشریحات رائج ہیں اور جو کنفیوژن پھیلا ہوا ہے، وہ انھی حضرات کی فکر و تحریر سے پھیلا ہے، اس لیے اس مسئلہ میں کوئی رعایت نہیں کی جانی چاہیے۔

صلح حدیبیہ: صلح حدیبیہ اسلام کی تاریخ میں ایک Turning Point ہے۔ اس میں مسلمان دفاع کے بجائے اقدام کی پوزیشن میں آ گئے تھے اور دعوتی سرگرمیاں بھی تیزی سے پھیلیں۔ مولانا وحیدالدین خاں نے اس پر بہت

کچھ لکھا ہے، مگر وہ اس کا صرف ایک پہلو ذکر کرتے ہیں صلح والا، اور اس کے دوسرے مضمرات سے صرف نظر کر جاتے ہیں۔ مولانا عنایت اللہ سبحانی نے اس پر مولانا خان صاحب کا بغیر نام لیے دلائل کے ساتھ تعاقب کیا ہے اور صلح حدیبیہ کی صحیح نوعیت کو واضح کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۱۸۵)۔

سیرت نبوی میں بنو قریظہ کا واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کے تمام جنگ کر سکنے والے مردوں کو قتل اور عورتوں و بچوں کو غلام بنا لیا تھا۔ مستشرقین اور معاندین کو بڑا مسالا اپنے معاندانہ پروپیگنڈے کے لیے اس واقعہ سے ملتا ہے۔ سبحانی صاحب نے اس واقعہ کی تحقیق کی ہے، جن سندوں سے یہ مروی ہوا ہے، ان کے راویوں کا جائزہ لیا اور درایتاً بھی اس پر تنقیدی نظر ڈال کر اس کو کلیتاً مسترد کر دیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷)۔ موجودہ دور میں حادثہ قریظہ پر اور تحقیقات منظر عام پر آئی ہیں۔ ایک اور مصنف نے بھی اچھی داد تحقیق دی ہے۔ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اپنی دوسری تمام تحریروں و تقریروں کی طرح مؤلف گرامی نے صرف قرآن کریم اور صحیح احادیث کو اپنی بحث کی اصل بنیاد بنایا اور یہی اس کتاب کی اصل خوبی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: ’’جہاد و قتال کے سلسلہ میں علماء کے ذوقی اجتہادات پر اعتماد کرنا صحیح نہیں ہے، چاہے وہ آج کے علماء ہوں یا پچھلے ادوار کے۔ ضروری ہے اس سلسلہ میں براہ راست قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کی جائے۔ علماء و فقہاء کی بس وہی باتیں قابل قبول ہوتی ہیں جو قرآن و سنت کے محکم دلائل پر مبنی ہوں۔ رہیں وہ رائے جو ان کے محض ذوق و فہم کی پیداوار ہوں تو اس طرح کے اہم معاملات میں وہ حجت نہیں بن سکتیں‘‘ (جہاد اور روح جہاد صفحہ ۳۱۸)۔

مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کا مسئلہ: ظالم مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کے مسئلہ میں اہل علم کی اکثریت کا خیال ہے کہ جب تک ان کی طرف سے کفر بواح کا ظہور نہ ہو، خروج جائز نہیں۔ امام نووی اس کو اجماعی رائے بتاتے ہیں۔ تاہم امام ابوحنیفہ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اگر خروج کرنے والوں کے پاس مناسب حکمت عملی، کافی قوت اور متبادل نظم موجود ہو اور خروج کی کامیابی کے امکانات زیادہ ہوں تو خروج کر دینا چاہیے۔ یہی رائے مصنف کتاب نے بھی اختیار کی ہے۔ اور سلسلہ میں وارد کئی روایتوں پر سنداً اور درایتاً کلام بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو اجماعی رائے اس مسئلہ میں بیان کی جاتی ہے، وہ کوئی حتمی مسئلہ نہیں، بلکہ وقتی علاج تھا کہ اس کو دائمی حکم ماننے کی صورت میں کبھی اصلاح احوال کی گنجایش نکلے گی ہی نہیں۔ البتہ یہاں یہ سوال بجا طور پر اٹھتا ہے کہ تاریخ اسلام کا سبق کیا ہے۔ بنی امیہ کا تختہ پلٹ کرنے کے لیے ہاشمیوں اور عباسیوں نے خفیہ تحریک چلائی۔ جب وہ کامیاب ہو گئی تو آغاز ہی میں بنو امیہ کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ ایک اموی شہزادے نے بھاگ کر جان بچائی اور اندلس جا کر ایک نئی خلافت کی داغ بیل ڈال دی۔

عباسی تحریک علویوں کے حق کے نام پر چلائی گئی تھی، مگر جب عباسی خلفا نے بھی علویوں کو خفیہ طور پر ختم کرنا شروع کر دیا تو ردعمل میں انھوں نے افریقہ میں جا کر فاطمی خلافت قائم کر لی۔ یوں ایک خلافت تین معاصر اور معاند قوتوں میں بکھر کر رہ گئی۔ موجودہ دور میں قائم شدہ حکومتوں کے خلاف خروج کے نتائج مصر، سیریا، عراق اور لیبیا میں سب کے سامنے ہیں!

مصنف کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں کرنے کا کام: موجودہ دور میں اصل کام یہ نہیں کہ یوں ہی تلوار ہاتھ میں لے کر معصوموں کا قتل، خودکش بمباری وغیرہ جیسے غیر اسلامی کام کیے جائیں۔ اصلاح احوال کے سلسلہ میں پہلا کام ہے: فرزندان اسلام کی تعلیم وتربیت کا زبردست اہتمام۔ دوسرا یہ ہے کہ امیج بلڈنگ ہو، اسلام کی ایک دلکش تصویر لوگوں کے سامنے لائیں۔ غلط فہمیاں دور کریں۔ اور چونکہ آج طاقت کی علامت یا طاقت کا پیمانہ علم، سائنس اور جدید تکنالوجی ہے بغیر ان کے کوئی جنگ نہیں لڑی جا سکتی نہ کوئی صالح انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے، اس لیے علمی دوڑ میں بھرپور حصہ لیں اور علم وسائنس کے میدان میں دوسری قوموں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ یہ علم وسائنس مسلم امت کی میراث ہے۔ یہ ہمارے بزرگ اسلاف کی ایجاد ہے، یہ علم وسائنس کتابِ الٰہی کا فیضان ہے (خلاصہ)۔

کتاب میں سیرت کے کئی جزوی واقعات، مثلاً کعب بن اشرف کا قتل، عقبہ بن ابی معیط کا قتل، فتح مکہ کے موقع پر کئی لوگوں کے خون کو مباح کر دینے کا قصہ وغیرہ بھی زیر بحث آئے ہیں۔ مولانا کی تحقیق عام سیرت نگاروں سے الگ ہے۔ اس کے علاوہ جہاد وقتال سے متعلقہ متعدد آیات کریمہ کی صحیح تاویل اور نئی تفسیر سامنے آتی ہے۔ انھوں نے ضمناً یہ بات بھی واضح کی ہے کہ امت مسلمہ کو کس قسم کے ہتھیار بنانے چاہییں اور کن ہتھیاروں کی مخالفت کرنی چاہیے۔ کئی مباحث ایسے ہیں جن پر مزید تحقیق کی گنجایش معلوم ہوتی ہے۔ کل ملا کر یہ کتاب اس اہم موضوع پر نہایت علمی اور ہر خاص وعام کے لیے قابل مطالعہ ہے۔ مصنف کا اسلوب خالص علمی اور خشک تحقیقی نہیں، بلکہ اس میں ادبی وتذکیری پہلو بہت ابھرا ہوا ہے اور انھوں نے لکھا بھی تفصیل واطناب کے ساتھ ہے۔ مگر غیر ضروری جزئیات اور تفصیلات سے دامن بچایا ہے۔ مصنف گرامی بنیادی طور پر قرآن کریم کے ماہر اور مفسر ہیں۔ وہ انسانوں سے محبت رکھتے ہیں۔ ان کی تحریریں دعوتی، فکری اور اصلاحی ہوتی ہیں اور قاری کو جذبۂ عمل پر ابھارتی ہیں، اور عقل کو مطمئن کرنے کے ساتھ ہی دل کے تاروں کو چھیڑتی اور انسانی ضمیر کو آواز دیتی ہیں۔ کتاب میں تفسیر، حدیث، فقہ وسیرت وتاریخ کے بہت سے واقعات ومباحث بھی مختصراً زیر بحث آ گئے ہیں۔ امید ہے کہ جہاد اور اس کے متعلقات پر اس کتاب سے نیا ڈسکورس شروع ہوگا، کیونکہ اس میں پہلی بار فقہا وتحریکات اسلامیہ کے روایتی موقف جہاد پر تنقید

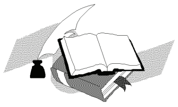کی گئی ہے۔ کتاب اہل فکر اور اہل تحقیق کو مزید غور و فکر اور بحث و تحقیق کی دعوت دیتی ہے۔ کوئی بھی تحقیق حرف آخر نہیں ہوتی۔ جو مباحث مصنف گرامی نے اٹھائے ہیں اور ان کے دلائل دیے ہیں، ضروری ہے کہ اہل علم ان پر اظہار خیال کریں۔ راقم خاک سار کے نزدیک قرآن پاک کے طالبین اس کے اصل مخاطب ہیں اور ان کو آگے بڑھ کر اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور اس بحث کو آگے بڑھانا چاہیے۔ کتاب کا عربی و انگریزی ترجمہ بھی آنا چاہیے۔ مناسب گٹ اپ میں ہدایت پبلشرز ایف ۱۵۵ فلیٹ ۲۰۴ ہدایت اپارٹمنٹ شاہین باغ جامعہ نگر نئی دہلی نے یہ وقیع کتاب شائع کی ہے۔